داغ دہلوی کی شاعری (دوسرا سمسٹر۔پانچواں پرچہ)

داغ نے جب شاعری کا آغاز کیا تو اس وقت غالب، مومن، ذوق اور بہادر شاہ ظفر کی شاعری کی آواز فضا میں گونج رہی تھی اور دیگر شعرا کی طرح داغ بھی ان کے فکر وفن سے متاثر تھے اور ان کی تقلید میں روایتی رنگ کی شاعری کر رہے تھے۔لیکن جلد ہی انہیں یہ احساس ہوگیا کہ اس تقلیدی رنگ میں وہ اپنی انفرادیت قائم نہیں کر سکیں گے۔لہذا انہوں نے نہ صرف مذکورہ شعرا کے رنگ سے خود کو آزاد کیا بلکہ میر کے درد والم اور درد کی صوفیانہ روش کو بھی خیرباد کہا۔ان سب کی عظمتوں کے قائل ہونے اور متقدمین ومعاصرین کی زمینوں میں طبع آزمائی کرنے کے باوجود اپنی راہ سخن اور طرز رفتار الگ نکالی۔یوں تو داغ نے غزلوں کے علاوہ مثنوی،قصیدہ،قطعات، رباعیات اور مسدس وغیرہ سب اصناف سخن میں طبع آزمائی کی،لیکن ان کی شاعری کا نشان امتیاز غزل ہی ہے۔داغ کے خاندانی حالات،قلعہ معلی کے ماحول میں ان کا حسین عورتوں سے میل جول، رام پور کی عشق وعاشقی،طوائفوں سے ربط وضبط،حیدرآباد کے قیام کی فارغ البالی، ان کی محرومیاں،ناکامیاں اور عزت افزائیاں ان سب سے مل کر داغ کی شاعری کا پیکر تیار ہوتا ہے جس کی گونج ان کی غزلوں میں جگہ جگہ سنائی دیتی ہے۔یہ تسلیم کہ غزلوں میں انہوں نے جن باتوں کا اظہار کیا ہے،اس سے ان کی شاعری معراج کمال کو نہ پہنچ سکی تاہم اس سے ان کی آواز میں ایک قسم کی کھنک اور رنگ وآہنگ میں گرج ضرور پیدا ہوگئی ہے جسے سن کر دل متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔غزل میں مومن کی ایک آواز ایسی ہے جس نے محبوب کو متوجہ کیا۔لیکن مومن نے محبوب سے تخاطب کے وقت جن تیوروں سے کام لیا ہے اس نے محبوب پر الٹا ستم کیا اور وہ دشمن زیادہ ہوگیا۔لیکن داغ محبوب کے ساتھ جس خودداری اور وقار کے ساتھ ہمکلام ہوتے ہیں اُس سے عشق کی آبرو اور عاشق کے کردار کو عظمت ملی ہے۔اُن کی غزلوں میں اس عزت ووقار اور عظمت وافتخار کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔مثلاً

تمہیں کہو کہ کہاں تھی یہ وضع، یہ ترکیب ہمارے عشق نے سانچے میں تم کو ڈھال دیا

اس قسم کے اشعار اُن کے یہاں بیشتر جگہ موجود ہیں۔دشمن، غیر اور رقیب کی طرح داغ معشوق کی نفسیات سے بھی خوب واقف ہیں۔اس کو بھی وہ ایک گوشت پوست کا انسان تصور کرتے ہیں۔اس کی مجبوریاں اور محرومیاں بھی داغ کی نظر میں ہیں۔چنانچہ محبوب کے ظلم وستم، بے وفائیوں اور سفاکیوں کو دیکھنے کے باوجود وہ اسے مطعون نہیں کرتے اور یہی سبب ہے کہ ان کی غزلوں میں ہجر وفراق کے گلے شکوے کے سائے زیادہ گہرے نہیں۔

داغ نے معاملات عشق وعاشقی کے اظہار کے لئے جو زبان استعمال کی ہے اس پر الگ سے گفتگو ہو سکتی ہے۔دراصل یہ اُن کی زبان ہی ہے جس میں روزمرہ،محاورات کے بے تکلف استعمال کے ذریعہ انہوں نے نازک سے نازک مسائل اور معاملات حسن وعشق کو اتنے سادہ اور آسان انداز میں پیش کیا ہے کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ان کا اسلوب نشہ وسرور سے مملو، کیف آور اور وجد آفریں ہے۔ان کے یہاں الفاظ کا استعمال نہایت برمحل اور برجستہ ہے۔غیر ضروری الفاظ سے وہ پرہیز کرتے ہیں۔بیان کی شوخی و بے تکلفی، جذبے کی فراوانی اور تجربہ ومشاہدہ کی کثرت سے ان کی غزلیں بھری پڑی ہیں۔ان کی غزلوں میں واقعیت اور داخلیت کا احساس ہوتا ہے۔ان کی معاملہ بندی انشاء، رنگین اور جرأت کی سی نہیں ہے۔وہ داغ کی اپنی ہے جس میں بے تکلفی اور سچائی ہے اور تصنع سے کوسوں دور نظر آتی ہے۔داغ نے اپنے چہرے پر کوئی مصنوعی نقاب نہیں ڈالا۔انہوں نے محبوب سے اظہار مطلب کے وقت تصنع،تکلف اور بناوٹ سے کام نہیں لیا۔حالانکہ اس زمانے میں وہ عورتوں کے درمیان رہ چکے تھے لیکن اس کے باوجود ان کی شاعری میں جنسی تلذذ کہیں نہیں ملتا۔داغ نہ فلسفی تھے، نہ صوفی اور نہ کوئی بڑا نظریہ حیات رکھتے تھے۔وہ صرف شاعر تھے اور اپنی شاعری میں جذبات کا جس انداز سے اظہار کیا ہے وہ قابل غور بھی ہے اور قابل داد بھی۔وہ دنیا کے دلدادہ تھے اور کل کے مقابلے

میں آج کی لذت پر یقین رکھتے تھے۔یہی ان کی زندگی تھی اور یہی ان کا فلسفہ۔یہ خیالات ان کی شاعری میں جگہ جگہ ملتے ہیں ۔

کیوں آدمی کو عالمِ بالا کی ہو ہوس بڑھ کر نہیں زمین سے کچھ آسماں کی سیر

فسردہ دل کبھی خلوت نہ انجمن میں رہے بہار ہو کے رہے ہم تو جس چمن میں رہے

ان اشعار کے نقل کرنے سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ داغ حقائق زندگی کے صرف ایک ہی رُخ سے واقف تھے۔ان کے سامنے غم والم کا پہلو نہ تھا یا وہ اتنے بے حس تھے کہ انہیں دنیا کے حالات کا اندازہ نہ تھا۔لیکن وہ میر نہ تھے کہ غم والم کو سینے سے لگائے بیٹھے رہتے اور نہ فانی تھے کہ یاسیت کے شکار ہو جاتے۔وہ ایک ایسے انسان تھے جن کی نظر میں زندگی کے تمام لطیف و کثیف پہلو موجود تھے۔اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنے زمانے کی خامیوں اور خرابیوں پر شہر آشوب کیسے لکھتے۔وہ آرزوؤں کے حصول کے لئے کبھی روئے نہیں۔انہوں نے کل کے انتظار میں آج کو ضائع کرنا نہیں سیکھا تھا۔وہ آج کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے اور کل کی دولت اگر مل جائے تو خوب ورنہ کوئی بات نہیں، پر عمل کرتے تھے۔ان کی پوری شاعری کا لہجہ اسی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

☆☆☆